۲۹

مؤمن کو کامل اطاعت اور فرمانبرداری کرنی چاہئے

تحریک جدید کے ذریعہ جماعت احمدیہ کا امتحان ہو رہا ہے اس میں کامیاب ہونے کی کوشش کرو

(فرمودہ ۷/اگست ۱۹۳۶ء)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

سب سے پہلے تو میں اس بات پر اظہارِ افسوس کرتا ہوں کہ بعض دوست سٹیشن پر آج گئے تھے اور میں نے اُن سے مصافحہ نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کل میں نے پرائیویٹ سیکرٹری صاحب کو بِالوضاحت اس بات کی ہدایت کر دی تھی کہ چونکہ جمعہ کا دن ہوگا اور قادیان پہنچ کر نہانا دھونا، کپڑے بدلنا اور پھر کھانے کا وقت ہونے کی وجہ سے کھانا کھانا ہوگا اس وجہ سے زیادہ وقت سٹیشن پر خرچ نہیں کیا جا سکتا اس لئے آپ تار دے دیں کہ دوست سٹیشن پر استقبال کیلئے نہ آئیں۔ انہوں نے پوچھا کیا یہ مطلب ہے کہ مصافحہ نہ کیا جائے۔ میں نے کہا یہ بات مجھے زیادہ شرمناک معلوم ہوتی ہے کہ دوست آئیں مگر میں اُن سے مصافحہ نہ کروں اس لئے یہ نہ لکھا جائے کہ مصافحہ نہ ہو بلکہ یہ لکھیں کہ دوست سٹیشن پر ہی نہ آئیں لیکن جب میں قادیان پہنچا تو میں نے دیکھا کہ کچھ دوست سٹیشن پر استقبال کیلئے کھڑے ہیں۔ میں نے پرائیویٹ سیکرٹری صاحب سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ میں نے تو ہدایت بھجوا دی تھی۔ اس پر مقامی امیر صاحب سے میں نے

دریافت کیا کہ میری ہدایت کے خلاف کیوں عمل کیا گیا اور دوستوں کو جمع کر کے کیوں ایک طرف مجھے شرمندہ کیا گیا اور دوسری طرف انہیں تکلیف دی گئی۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں تار یہی پہنچی تھی کہ مصافحہ نہیں کرنا اس لئے ہم نے لوگوں کو جمع ہونے سے منع نہیں کیا۔ مجھے اس بات پر تعجب ہؤا کہ جب بِالوضاحت پرائیویٹ سیکرٹری صاحب نے مجھ سے یہ بات دریافت کر لی تھی اور ان کی تجویز پر کہ مصافحہ سے روکا جائے میں نے کہہ دیا تھا کہ اسے میں ناپسند کرتا ہوں کہ لوگوں کو جمع ہونے دیا جائے اور پھر مصافحہ سے روکا جائے اس لئے دوستوں کو جمع ہونے سے ہی روک دیا جائے پھر اِس قِسم کی تار کیونکر دی گئی۔ اور میں نے دوبارہ امیر مقامی مولوی سیّد سرور شاہ صاحب سے پوچھا کہ آپ کو غلطی تو نہیں لگی؟ انہوں نے کہا کہ نہیں میں نے تین شخصوں سے تار پڑھوائی اور سب نے یہی کہا کہ اس میں مصافحہ کو منع کیا گیا ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ تار مجھے بھجوا دیں۔ اس کے بعد موٹر میں بیٹھتے ہوئے نیر صاحب میرے پاس آئے اور کہا کہ میں نے ڈاکٹر صاحب سے مشورہ کیا تھا اور انہوں نے یہ کہا تھا کہ یہی تار چاہئے کہ مصافحہ نہیں ہونا چاہئے اس لئے ان کے مشورہ کے مطابق میں نے یہ تار دے دی تھی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ محض نمائش کی خاطر اور صرف یہ دکھانے کیلئے کہ جب قادیان میں امام جماعت احمدیہ آتا ہے تو لوگ استقبال کیلئے جمع ہو جاتے ہیں میری حکم عدولی کرتے ہوئے اِس قِسم کا تار دے دیا گیا۔ میں دنیا کی کسی لغت کے لحاظ سے نہیں سمجھ سکتا کہ جب وضاحتاً یہ ہدایت دے دی گئی ہو کہ لوگ سٹیشن پر نہ آئیں کیونکہ سٹیشن پر ان کے آ جانے کے بعد ان سے مصافحہ نہ کرنا مجھے بہت معیوب معلوم ہوتا ہے اور یہ بات مجھے بُری لگتی ہے کہ لوگ جمع ہو جائیں اور میں ان سے مصافحہ نہ کروں میری ہدایت کو ان الفاظ میں ادا کیا جائے کہ لوگ مصافحہ نہ کریں۔ پرائیویٹ سیکرٹری صاحب نے ایک یہ عذر بھی کیا کہ میں نے اور ڈاکٹر صاحب نے یہ سمجھا تھا کہ اگر یہ تار دی کہ لوگ نہ آئیں تو پہرے کا انتظام بھی نہ ہوگا حالانکہ تار میں آسانی سے لکھا جا سکتا تھا کہ سوائے منتظمین کے اور کوئی نہ آئے۔ لیکن میرے نزدیک اپنی ذات میں بھی یہ عذر فضول ہے اس لئے کہ جو عملہ قادیان سے باہر پہرہ کا انتظام کر سکتا ہے، ریل میں پہرہ کا انتظام کر سکتا ہے وہ قادیان میں کیوں نہیں کر سکتا۔ کیا قادیان کے سٹیشن پر باہر کی نسبت زیادہ خطرات ہوتے ہیں اور سٹیشن کے باہر تو موٹر میں ہی جانا تھا۔ غرض یہ عذرات بالکل نادرست اور باطل تھے

اور اسی ہندوستانی عادت کے ماتحت تھے کہ ’’سوگز واروں گز بھر نہ پھاڑوں‘‘۔ جان قربان کرنے کے دعوے زور شور سے کئے جائیں اور اطاعت بالکل نہ کی جائے اور میں مجبور ہوں کہ سمجھوں کہ محض نمائش اور جھوٹے مظاہرے کی خاطر میری ہدایت کی دیدہ دانستہ اور جان بوجھ کر نافرمانی کی گئی ہے اور مجھے افسوس ہے کہ اس غلطی کا خمیازہ قادیان کے دوستوں کو بھی بھگتنا پڑا اور جو مجھے تکلیف ہوئی وہ بھی کچھ کم نہیں۔ میں نے صراحتاً کہہ دیا تھا کہ وہ لوگ جو دوستوں کو جمع کر کے تو لے آتے ہیں مگر پھر مصافحہ کرنے سے انہیں روکتے ہیں ان کا روکنا مجھ پر بہت ہی گراں گزرتا ہے۔ جب لوگ جمع ہو جائیں تو اُس وقت میں یہی چاہتا ہوں کہ ان سے مصافحہ کروں اور وہ لوگ جو ایسی حالت میں کہتے ہیں کہ مصافحہ نہ کرو ان کی یہ بات مجھے نہایت ہی شرمناک معلوم ہوتی ہے اس کی تحقیقات تو میں بعد میں کروں گا کہ یہ صریح نافرمانی کیونکر ہوئی لیکن میں چاہتا ہوں کہ دوستوں سے اس بات کی معذرت کر دوں کہ میرا ان سے آج مصافحہ نہ کرنا نظام کے قیام کیلئے ضروری تھا۔ ہمارے ہندوستانیوں کی عموماً اور مسلمانوں کی خصوصاً سب سے بڑی لعنت یہی ہے کہ ان کے تمام کاموں میں نمائش ہوا کرتی ہے اطاعت نہیں ہوتی۔ ان کی ذلّت اور رُسوائی کا تمام تر راز اس امر میں ہے کہ وہ سچی اطاعت اور قربانی کے مفہوم سے ناواقف ہیں۔ نہ وہ خدا تعالیٰ کی سچی اطاعت کرتے ہیں اور نہ ان لوگوں کی جن کے ہاتھ میں دینی یا دُنیوی قیادت کی باگیں ہیں۔ نہایت چھوٹی چھوٹی نمائشی باتوں کیلئے ان کی جان یوں نکلتی ہے جیسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ

نقصاں جو ایک پیسہ کا دیکھیں تو مرتے ہیں

لیکن بڑے اور عملی کاموں کی طرف ان کی توجہ بالکل نہیں ہوتی۔ ان کی مثال بالکل ویسی ہی ہے جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قاتلوں میں سے ایک حضرت ابن عباسؓ کے پاس آیا اور آ کر کہنے لگا کہ حضور! یہ تو بتائیے کہ حج کے دنوں میں اگر کوئی شخص جوں مار بیٹھے تو اس کی کیا سزا ہے۔ انہوں نے کہا خدا کے رسول کے بھائی، خدا کے رسول کے داماد اور خدا تعالیٰ کے قائم کردہ خلیفہ کو تم نے قتل کر دیا اور تم مجھ سے مسئلہ پوچھنے نہ آئے لیکن حج کے دنوں میں جوں مارنے والے کی سزا کے متعلق تم مجھ سے مسئلہ پوچھنے آ گئے ہو۔ جاؤ دور ہو جاؤ میں تم کو کوئی مسئلہ بتانے کیلئے تیار نہیں۔ تو یہ

ضلالت اور گمراہی ہمارے ملک میں عام ہے کہ لوگ شیطانی قیاس کرتے ہیں اور بات کو خوب سمجھنے کے باوجود پھر بھی اپنے قیاسات دوڑاتے ہیں۔ یہی لعنت ہے جو ان کی ذلّت اور رُسوائی کا موجب ہے اور جس کی وجہ سے فرمانبرداری اور اطاعت کی روح ہمارے ملک میں نہیں پائی جاتی۔ جن بزرگوں نے یہ کہا ہے کہ پہلا قیاس شیطان نے کیا تھا درحقیقت ان کا بھی ایسے ہی قیاس سے مطلب تھا کہ بات واضح ہوتی ہے، حکم بیّن ہوتا ہے مگر اسے ردّ کر دیا جاتا ہے اور ایک راہ پیدا کر کے کہا جاتا ہے کہ ہم نے یوں قیاس کیا تھا۔ اسی قِسم کا قیاس ہے جس نے آدم کے زمانہ سے ہی تباہی مچائی ہوئی ہے۔ جب تک مؤمن کا مقام اس اطاعت اور فرمانبرداری کی حد تک نہ پہنچ جائے کہ جب اُس پر حکم واضح ہو جائے تو پھر چاہے اس کی حکمت اُسے سمجھ آئے یا نہ آئے اُس پر عمل کرے اس وقت تک اسے کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔

پہلا کام مؤمن کا یہ ہوتا ہے کہ جب اُسے کوئی حکم دیا جائے اور وہ اسے پوری طرح نہ سمجھ سکے تو اُس حکم کی وضاحت کرا لے۔ جیسے مجھ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ کا یہ مقصد ہے کہ مصافحہ نہ ہو۔ میں نے کہا نہیں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص سٹیشن پر نہ آئے۔ اس حد تک ان کا پوچھنا بالکل جائز تھا بلکہ ماتحت کا فرض ہوتا ہے کہ جب اُسے کسی غلط فہمی کا اندیشہ ہو تو وہ پوچھ لے لیکن جب ماتحت دریافت کر چکے تو پھر جو بات اُسے کہی گئی ہو اُس کے متعلق اُس کا فرض ہوتا ہے کہ وہ اُس پر ایسی اطاعت اور فرمانبرداری سے عمل کرے کہ اس میں کسی اعتراض کی گنجائش نہ ہو اور نہ اس میں کسی قِسم کا تخلّف ہو۔ آخر غور تو کرو کہ صحابہؓ میں اور تم میں خدا تعالیٰ نے کیوں فرق رکھا ہے۔ اُن کو خدا تعالیٰ نے اُٹھایا اور چند سالوں میں ہی آسمان پر پہنچا دیا اور وہ لوگ جن کے بوٹ عربوں کی گردنوں پر تھے پندرہ بیس سال کے عرصہ میں ہی ان کی گردنوں پر عربوں کی جوتیاں رکھی گئیں۔ یہ بات یونہی تو نہیں ہو گئی ان کے اندر فرمانبرداری کی روح تھی۔ وہ جانتے تھے کہ فرمانبرداری اور اطاعت کسے کہتے ہیں، وہ جانتے تھے کہ عقل سے کام کرنا کسے کہتے ہیں۔ ان کا یہ حال تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ وعظ فرما رہے تھے آپ نے بعض لوگوں کو کناروں پر کھڑے دیکھا تو فرمایا بیٹھ جاؤ۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ گلی میں سے مسجد کی طرف آرہے تھے ان کے کانوں میں جونہی یہ آواز پڑی کہ بیٹھ جاؤ وہ وہیں بیٹھ گئے اور انہوں نے گھسٹ گھسٹ کر مسجد کے دروازہ

کی طرف آنا شروع کر دیا جہاں کہ رسول کریم ﷺ تقریر فرما رہے تھے۔ کسی نے پوچھا یہ کیا کر رہے ہو؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میرے کانوں میں رسول کریم ﷺ کی یہ آواز آئی تھی کہ بیٹھ جاؤ اِس لئے میں گلی میں ہی بیٹھ گیا اور میں نے گھسٹ گھسٹ کر مسجد کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ کسی نے کہا آپ مسجد میں داخل ہونے کے بعد بیٹھتے۔ تو عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا کہ اگر داخل ہونے سے پہلے مرجاتا تو خدا تعالیٰ کو کیا جواب دیتا [۱]۔ یہ وہ روح تھی جس کی وجہ سے مسلمانوں نے فتح پائی اور انہوں نے دنیا میں اتنا عظیم الشان تغیر پیدا کر دیا کہ حیرت سے دنیا کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اور وہ استعجاب سے انگشت بدنداں ہوگئی۔

اس فرمانبرداری کے مظاہرہ کی ایک اور مثال میں سناتا ہوں۔ رسول کریم ﷺ جب مرض الموت سے بیمار ہوئے تو آپ نے وفات سے کچھ دن پہلے ایک لشکر رومی حکومت کے مقابلہ کیلئے تیار کیا اور اُسامہ بن زیدؓ کو اس کا سردار مقرر فرمایا تھا ابھی یہ لشکر روانہ نہیں ہؤا تھا کہ رسول کریم ﷺ کی وفات ہوگئی اور سارے عرب میں بغاوت ہوگئی۔ اس بغاوت کا حلقہ اتنا وسیع ہوگیا کہ صرف تین مقام ایسے تھے جہاں نماز باجماعت ہوتی تھی ایک مکہ میں، ایک مدینہ میں اور ایک اور چھوٹے سے گاؤں میں ان کے سوا عرب میں ہر جگہ بغاوت رونما ہوگئی تھی۔ بڑے بڑے صحابہؓ نے مل کر مشورہ کیا کہ اس موقع پر اُسامہؓ کا لشکر باہر بھیجنا درست نہیں کیونکہ اِدھر سارا عرب مخالف ہے اُدھر عیسائیوں کی زبردست حکومت سے لڑائی شروع کر دی گئی تو نتیجہ یہ ہوگا کہ اسلامی حکومت بالکل درہم برہم ہو جائے گی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور کہنے لگے ہم عرض کرنا چاہتے ہیں کہ یہ موقع نہیں کہ اُسامہؓ کا لشکر باہر بھیجا جائے آپ اس لشکر کو روک لیں اور پہلے عرب کے باغیوں کا مقابلہ کریں جب ہم انہیں دبالیں گے تو اُسامہؓ کے لشکر کو عیسائیوں کے مقابلہ کیلئے بھیج دیں گے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی عادت تھی کہ جب وہ اپنی منکسرانہ حالت ظاہر کرنا چاہتے تو اپنے آپ کو اپنے باپ سے نسبت دے کر بات کرتے کیونکہ ان کے باپ نہایت مسکین اور غریب آدمی تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب کہا کہ جیشِ اُسامہ کو روک لیا جائے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کیا ابن ابوقحافہ کی طاقت ہے کہ محمد ﷺ ایک لشکر بھیجیں اور وہ اُسے روک لے۔ پھر فرمایا خدا کی قسم! اگر کفار مدینہ کو فتح کریں اور مدینہ کی

گلیوں میں مسلمان عورتوں کی لاشیں کُتّے گھسیٹتے پھریں تب بھی میں اس لشکر کو نہیں روکوں گا جس کو محمد ﷺ نے روانہ کرنے کیلئے تیار کیا تھا۔[۲] اس کے بعد فرمایا کیا تم چاہتے ہو کہ ابن ابوقحافہ کا اپنی خلافت میں پہلا کام یہ ہو کہ وہ محمد ﷺ کے کسی حکم کو منسوخ کر دے۔ بظاہر یہ ایک چھوٹی سی بات معلوم ہوتی ہے اور زیادہ سے زیادہ اس سے بہادری کا وہ جذبہ ظاہر ہوتا ہے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اندر تھا لیکن درحقیقت اسی میں ان کی کامیابی کا راز تھا۔ وہ قوتِ ارادی جس سے دنیا فتح ہوسکتی ہے اسی صورت میں پیدا ہوسکتی ہے جب کامل اطاعت اور فرمانبرداری کا مادہ انسان کے اندر ہو، جب وہ حیلے حجتیں نہ کریں، جب وہ اپنی تجویزوں اور اپنے قیاسات سے کام لینے کی بجائے اس حکم کو سنے جو اُسے دیا گیا ہو اور اُس پر پوری طرح عمل کرے۔ اگر انسان اس بات کی عادت ڈال لے تو اس صورت میں اسے بہت جلد کامیابی حاصل ہوسکتی ہے۔

پس ایک طرف میں دوستوں سے معذرت کرتا ہوں اور دوسری طرف انہیں بتانا چاہتا ہوں کہ اس قِسم کی کارروائیاں تمہیں قطعاً کامیابی عطا نہیں کرسکتیں۔ **جب تک تمہارے اندر ایسی فرمانبرداری پیدا نہ ہو کہ اگر تمہیں کہا جائے تلوار کی دھار پر اپنی گردنیں رکھ دو تو ایک بھی تم میں سے پیچھے نہ ہٹے اس وقت تک تمہیں اطاعت کا مقام حاصل نہیں ہوسکتا۔** مؤمن کا کام صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ ابتدائی تحقیق کر کے دیکھ لیتا ہے کہ مدعی خدا کا رسول ہے یا نہیں۔ یا نبی کی جانشینی اور قائمقامی کا دعویٰ کرنے والا صحیح معنوں میں اس کا قائمقام اور جانشین ہے یا نہیں۔ لیکن جب وہ اسے مان لیتا ہے تو پھر وہ دوسری آواز نہیں نکالتا۔ اس کی اپنی آوازیں بند ہو جاتی ہیں اور اس کیلئے صرف ایک ہی راستہ کھلا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ وہ اُس کی فرمانبرداری اور اطاعت کرتا چلا جائے خواہ اسے آگ میں کودنا پڑے یا سمندر میں چھلانگ لگانی پڑے۔ اسلام تو اسلام جب یہ بات کافروں میں پیدا ہو جاتی ہے تو وہ بھی دنیا کو فتح کر لیتے ہیں۔

نپولین ایک معمولی ماں باپ کا بیٹا تھا لیکن وہ ایسے وقت میں فرانس میں پیدا ہؤا جب فرانس کی حالت بہت گر رہی تھی۔ فرانس اس سے پہلے بہت بڑی طاقت رکھتا تھا اور سارے یورپ پر اس کا رُعب اور دبدبہ تھا لیکن نپولین کے زمانہ میں فرانس اپنے عروج کی حالت سے گِر رہا تھا۔ نپولین نے اسے سنبھالنا چاہا اور اس نے لوگوں سے یہ کہنا شروع کر دیا کہ جب تک تم

میں تفرقہ اور شقاق ہے تم کامیاب نہیں ہو سکتے۔ تم اطاعت اور فرمانبرداری کا مادہ اپنے اندر پیدا کرو جیت جاؤ گے چنانچہ ایسا ہی ہؤا۔ ملک کی حالت دیکھ کر دردمند لوگ اس کے اردگرد جمع ہونے شروع ہو گئے اور انہوں نے اطاعت اور فرمانبرداری کا بہترین نمونہ دکھایا ایسا نمونہ کہ خود اس نے نپولین کی زندگی میں بھی تغیر پیدا کر دیا۔ نپولین ایک دفعہ ایک بڑی جنگ کے بعد فرانس کے پاس اٹلی کے نیچے ایک جزیرہ میں قید کر دیا گیا۔ کچھ لوگوں کی مدد سے آخر وہ آزاد ہؤا اور فرانس کے ساحل پر اُترا۔ اُس وقت نئی حکومت قائم ہو چکی تھی اور نیا نظام تھا۔ بادشاہ نے پادریوں کو بلایا اور ان کے ذریعہ جرنیلوں سے بائبل پر ہاتھ رکھ رکھ کر قسمیں لیں اور جرنیلوں کے ذریعہ تمام سپاہیوں سے قسمیں لیں کہ وہ پوری طرح حکام کی اطاعت اور فرمانبرداری کریں گے۔ بادشاہ نے یہ قسمیں اس لئے لیں کہ وہ جانتا تھا کہ نپولین نے لوگوں کے دلوں میں ایسی روح پیدا کر دی ہے کہ جب بھی نپولین ان کے سامنے آئے گا وہ نئی حکومت سے اپنے سارے تعلقات بھول جائیں گے اور اسی کے گرد جمع ہو جائیں گے۔ اس طرح قسمیں لینے کے بعد جنرل نے (NAY) کو رئیسِ لشکر بنایا گیا اور وہ بیس ہزار سپاہی لے کر نپولین کے مقابلہ کو روانہ ہؤا۔ نپولین کے ساتھ صرف چندسَو آدمی تھی اور وہ بھی اکثر زمیندار تھے جو لڑائی کے فن سے چنداں واقف نہ تھے اور ان کے پاس ہتھیاروں کی اتنی کمی تھی کہ بعض کے پاس صرف درانتیاں تھیں۔ اتفاقاً نپولین کے دستہ اور شاہی فوج کی مُڈ بھیڑ ایک ایسے مقام پر ہوئی جہاں درّہ بہت چھوٹا تھا اور صرف چند آدمی کندھے سے کندھا ملا کر گزر سکتے تھے۔ نپولین نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ آگے بڑھو وہ آگے بڑھے تو شاہی فوج نے ان پر گولیاں چلائیں اور وہ مارے گئے۔ پھر اُس نے بعض آدمی بھیجے تو وہ بھی مارے گئے۔ آخر سپاہیوں نے اُسے کہا کہ آگے بڑھنے کی کوئی صورت نہیں۔ دشمن سامنے کھڑا ہے اور وہ کہتا ہے کہ ہم بائبل پر ہاتھ رکھ کر اور قسمیں کھا کر آئے ہیں کہ نپولین کے سپاہیوں کو مار ڈالیں گے اور چونکہ دو چار سپاہیوں کے سِوا ہم میں سے زیادہ بڑھ نہیں سکتے کیونکہ درّہ چھوٹا ہے اس لئے وہ گولیوں سے ہلاک کر دیتے ہیں اور ہم مقابلہ بھی نہیں کر سکتے۔ میں اس بات کی مثال دے رہا تھا کہ نپولین نے ان لوگوں میں سے کس طرح اطاعت اور فرمانبرداری کا مادہ پیدا کر دیا تھا۔ چنانچہ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب سپاہیوں نے کہا کہ شاہی فوج کے آدمی ہم پر گولی چلا کر ہمیں ہلاک

کر دیتے ہیں تو نپولین نے کہا۔تم نے کہا نہیں ہو گا کہ نپولین کہتا ہے رستہ چھوڑ دو۔انہوں نے کہا کہ ہم نے کہا تھا مگر انہوں نے جواب دیا کہ ہم اس کا حکم نہیں مان سکتے کیونکہ ہم بائبل پر قسمیں کھا کر آئے ہیں۔ نپولین کہنے لگا میں اس امر کو تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں کہ تم نے میرا نام لے کر کہا ہو کہ راستہ چھوڑ دو اور انہوں نے نہ چھوڑا ہو۔اب جاؤ اور کہو کہ نپولین کہتا ہے رستہ چھوڑ دو۔ وہ پھر گئے اور انہوں نے یہی کہا مگر انہوں نے جواب دیا ہم اب یہ باتیں سننے کیلئے تیار نہیں۔ ہم بائبل پر ہاتھ رکھ کر اور قسمیں کھا کر آئے ہیں کہ تمہارا مقابلہ کریں گے۔آخر نپولین خود چلا گیا اور کہنے لگا میں دیکھوں گا کہ وہ کس طرح میری بات نہیں مانتے۔ نپولین ان کے سامنے ہؤا اور کہنے لگا دیکھو! نپولین تم سے کہتا ہے کہ راستہ چھوڑ دو۔ شاہی فوج کا افسر کہنے لگا جناب وہ دن گزر گئے اب اور بادشاہ ہے اور نئی حکومت ہم آپ کی بات کس طرح مان سکتے ہیں۔مگر نپولین جانتا تھا کہ اس نے لوگوں کو اپنی اطاعت کا جو سبق پڑھایا ہؤا ہے وہ اتنی جلدی بھولنے والا نہیں۔ وہ آگے بڑھا اور کہنے لگا بہر حال میری فوجوں نے آگے بڑھنا ہے اگر تم وہ اطاعت کا سبق جو تمہیں پڑھایا گیا تھا بھول چکے ہو تو لو یہ میرا سینہ کھلا ہے جس سپاہی کا دل چاہتا ہے کہ وہ اپنے بادشاہ کے سینہ میں گولی مار دے وہ گولی مار کر اپنا دل خوش کر سکتا ہے۔ نپولین نے جونہی یہ الفاظ کہے وہ پُرانا جذبۂ وفاداری ان میں عَود کر آیا اور معاً سپاہیوں نے اپنی بندوقیں ہوا میں اُچھال دیں اور ''نپولین زندہ باد'' کے نعرے لگانے شروع کر دیئے اور دوڑ کر اس کے ساتھ آملے اور کئی ان میں بچوں کی طرح روتے تھے جب یہ خبر جرنل نَے کو ملی تو وہ فوج کا بڑا حصہ جو ابھی پیچھے تھا اس کو لے کر آگے بڑھا لیکن جس وقت نپولین کی آواز اس کی فوج کے کانوں میں پڑی کہ فرانس کے سپاہیو! تمہارا بادشاہ نپولین تم کو بلاتا ہے تو وہ فوج بھی اور جرنل نَے بھی اپنے اقراروں کو بھول گئے اور صرف وہ اطاعت کا جذبہ ان کے اندر رہ گیا جسے نپولین نے ان کے دلوں میں پیدا کیا تھا اور وہ دَوڑ کر اس کے گرد آ جمع ہوئے۔فرانس میں اس وقت اتنا تفرقہ اور فساد تھا کہ انسان صبح کو نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ شام تک زندہ بھی رہے گا یا نہیں۔ ہزاروں لاکھوں انسان اس تفرقہ اور فساد کے زمانہ میں مارے گئے مگر اس تفرقہ کو نپولین نے فرمانبرداری کی روح پیدا کر کے دور کر دیا اور ملک کی حالت کو یکدم بدل دیا۔

اب دیکھ لو مسولینی کی وجہ سے اٹلی کو کس قدر عروج حاصل ہے۔اٹلی کی حالت اتنی ذلیل

تھی کہ جنگِ عظیم میں ہر قسم کی قربانیاں لینے کے بعد فرانسیسیوں اور انگریزوں نے گوشت گوشت تو خود رکھ لیا اور ہڈیاں اٹلی کو دے دیں۔ تمام اعلیٰ ملک اور زرخیز علاقے اپنے قبضہ میں کر لئے اور اٹلی والوں کو محض پرچا دیا۔ اس کے بعد مسولینی اُٹھا اور اُس نے فرمانبرداری کی روح اٹلی والوں میں پیدا کرنی شروع کر دی۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ باوجود اس کے کہ اٹلی والوں کے پاس کوئی مذہب نہیں ان کے ساتھ خدا تعالیٰ کی وہ تائید نہیں جو سچے مذہب والوں کے ساتھ ہؤا کرتی ہے محض فرمانبرداری کی روح کے نتیجہ میں وہی اٹلی جسے جنگِ عظیم کے بعد فرانسیسیوں اور انگریزوں نے دھتکار کر پرے کر دیا تھا آج چیلنج دے رہا ہے، متواتر اور بار بار چیلنج دے رہا ہے کہ اگر کسی طاقت میں دم خم ہے تو اس کا مقابلہ کر لے۔ مگر وہی طاقتیں جو پہلے اسے ذرا ذرا سی بات پر گھورا کرتی تھیں اس طرح چُپ کر کے بیٹھ گئی ہیں گویا وہ دنیا میں ہیں ہی نہیں۔ آج سے بارہ سال پہلے کے اٹلی میں فرمانبرداری کی روح نہیں تھی اس لئے وہ ذلیل تھا مگر آج بارہ سال کے بعد اٹلی میں فرمانبرداری کی روح پیدا ہوگئی اس لئے وہ عزت کی نگاہ سے دیکھا جانے لگ گیا۔

بیعت کا مفہوم تو ہے ہی یہ کہ انسان اطاعت میں اپنے آپ کو فنا کر دے اور یہ مفہوم اتنا بلند ہے کہ دنیوی امور میں فرمانبرداری اس کا مقابلہ کر ہی نہیں سکتی۔ آج دنیا میں کون سا بادشاہ ہے جو لوگوں سے بیعت لیتا ہو۔ بیعت تو سوائے اسلام کے اور کہیں نہیں۔ پس بیعت کا مقابلہ دنیا کی فرمانبرداری نہیں کر سکتی۔ بیعت کے معنی بیچ ڈالنے کے ہیں اور جب کسی نے اپنے آپ کو بیچ ڈالا تو پھر کون سی چیز ہے جو اس کی رہ سکتی ہے۔ پس یہ گُر کہ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ [۳] ایسا ہے کہ جب تک کوئی قوم اس پر عمل نہیں کرتی خواہ وہ سچے مذہب کی پابند ہو یا اس سے ناواقف کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی۔ یہی روح ہے جس کو میں تحریک جدید کے ماتحت پیدا کرنا چاہتا ہوں۔ مگر مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ایک طبقہ جماعت کا ایسا ہے کہ نہ وہ بیعت کا مفہوم سمجھتا ہے، نہ وہ تحریک جدید کا مفہوم سمجھتا ہے اور نہ اطاعت کا مفہوم سمجھتا ہے۔ بے شک ہر جماعت میں کچھ کمزور لوگ ہوتے ہیں مگر کمزور ہونا کوئی عزت کا موجب نہیں کہ ہم کہیں چونکہ تمام جماعتوں میں کمزور لوگ ہؤا کرتے ہیں اس لئے ہمارے اندر بھی کمزور لوگوں کا ہونا قابلِ اعتراض نہیں۔ کمزوری ایک بُری چیز ہے اور اس کا مٹانا ہمارا فرض ہے اگر ہم اپنی کمزوری کو نہیں مٹا سکتے تو

یقیناً ہم اپنی تباہی کے سامان آپ پیدا کرتے ہیں۔ اطاعت اور فرمانبرداری وہ چیزیں ہیں جن کے بغیر دنیا کبھی ترقی نہیں کرسکتی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کا مقابلہ آخر کون سے سامان تھے جن سے کیا۔ مال آپ کے پاس نہیں تھا، سپاہیوں کی تعداد آپ کے پاس کم تھی، سوار آپ کے پاس تھوڑے تھے، سامانِ جنگ آپ کے پاس قلیل تھا، آپ نے جس چیز کے ساتھ دنیا پر غلبہ حاصل کیا وہ یہ تھی کہ آپ نے صحابہؓ میں یہ روح پیدا کردی کہ خواہ وہ آگ میں پھینکے جائیں یا سمندر میں ان کا فرض ہے کہ وہ اطاعت کریں۔ مکہ والوں کے پاس اعلیٰ سے اعلیٰ فوجیں موجود تھیں، زیادہ سے زیادہ روپیہ جمع تھا کیونکہ وہ تاجر لوگ تھے، ان کے پاس کھانے پینے کی چیزوں کی بُہتات تھی، کپڑوں کی بُہتات تھی، تیروں کی بُہتات تھی، تلواروں کی بُہتات تھی، نیزوں کی بُہتات تھی، اعلیٰ نسل کے گھوڑوں کی بُہتات تھی مگر ایک چیز نہیں تھی یعنی اطاعت اور فرمانبرداری کا مادہ نہیں تھا جس کی وجہ سے نہ ان کی فوجیں ان کے کام آئیں، نہ ان کا روپیہ ان کے کام آیا، نہ تیروں اور تلواروں نے انہیں فائدہ پہنچایا اور نہ گھوڑے اور اونٹ انہیں غالب کرسکے۔ اس کے مقابلہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں یہ چیز موجود تھی اور اِسی چیز نے انہیں کامیاب کیا۔

بدر کی جنگ کے موقع پر دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو کفار نے آپس میں مشورہ کے بعد ایک سردار کو مقرر کیا جو دیکھے کہ مسلمانوں کے کتنے آدمی ہیں تا انہیں تسلی ہو اور وہ فتح و شکست کے متعلق اندازہ لگاسکیں۔ انہوں نے مسلمانوں کا جائزہ لینے کیلئے جو سردار مقرر کیا وہ نہایت زیرک اور ہوشیار تھا۔ مسلمانوں کو دیکھ کر جب وہ واپس گیا تو کہنے لگا آدمی تو وہ تین سَو سوا تین سَو ہیں (اور یہ اس کا کہنا بالکل ٹھیک تھا کیونکہ صحابہؓ ۳۱۳ تھے) مگر میری نصیحت تمہیں یہی ہے کہ ان کا مقابلہ نہ کرو۔ انہوں نے کہا یہ کیوں؟ وہ اتنے تھوڑے ہیں اور تم ہمیں ان کا مقابلہ کرنے سے ڈراتے ہو!! وہ کہنے لگا اے میرے بھائیو! بے شک وہ تھوڑے ہیں مگر میں نے اونٹوں اور گھوڑوں پر آدمی سوار نہیں دیکھے بلکہ موتیں سوار دیکھی ہیں ۴؎۔ یعنی تم یہ خیال نہ کرو کہ تمہارے پاس نیزے ہیں اور ان کے پاس نیزے نہیں، تمہارے پاس تیر ہیں اور ان کے پاس تیر نہیں، تمہارے پاس تلواریں ہیں اور ان کے پاس تلواریں نہیں، تمہارے پاس تیر کمانیں ہیں اور ان کے پاس تیر کمانیں

نہیں، تمہارے پاس گھوڑے ہیں اور ان کے پاس گھوڑے نہیں، تم ہزاروں ہو اور وہ تین سَو سوا تین سَو ہیں بلکہ دیکھنے والی بات یہ ہے کہ **وہ ایک اشارہ پر مرجانے والے اور ایک آواز پر اپنی جانیں فدا کردینے والے آدمی ہیں**۔ ایسے آدمیوں کا مقابلہ آسان نہیں کیونکہ میں نے آدمی نہیں دیکھے بلکہ موتیں دیکھی ہیں جو اونٹوں اور گھوڑوں پر سوار تھیں۔ چنانچہ واقعات نے ثابت کردیا کہ وہ موتیں ہی تھیں۔ وہ سوائے موت کے اور کسی چیز کو نہیں جانتے تھے۔ یا وہ خود مارے جاتے تھے یا دوسروں کو مار دیتے تھے۔

میں نے کئی دفعہ واقعہ سنایا ہے کہ اسی جنگ میں دو انصاری لڑکے بھی شامل تھے جو نہایت چھوٹی عمر کے تھے جن میں سے ایک لڑکے کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فیصلہ فرمادیا تھا کہ وہ اتنی چھوٹی عمر کا ہے کہ اُسے لڑائی میں شامل نہیں کیا جاسکتا مگر وہ اتنا رویا اتنا رویا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رحم آگیا اور آپ نے اُسے شامل ہونے کی اجازت دے دی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ جو عشرہ مبشّرہ میں سے تھے جنگ میں ان کے دائیں بائیں یہ دونوں لڑکے کھڑے تھے۔ وہ کہتے ہیں میں اپنے دل میں افسوس کر رہا تھا کہ آج چھوٹے چھوٹے لڑکے میرے دائیں بائیں ہیں میں کس طرح لڑسکوں گا کہ اتنے میں دائیں طرف سے مجھے کُہنی پڑی۔ میں نے مُڑ کر دیکھا تو مجھے معلوم ہوا کہ اُس لڑکے نے جو میرے دائیں طرف کھڑا تھا مجھے کُہنی ماری ہے۔ مجھے اپنی طرف متوجہ پا کر کہنے لگا چچا! وہ ابوجہل کونسا ہے جو مکہ والوں کا سردار ہے میں نے سنا ہے کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑا دُکھ دیا کرتا تھا میں نے آج اُس سے بدلہ لینا ہے۔ وہ کہتے ہیں میں ابھی اُسے جواب بھی دینے نہ پایا تھا کہ دوسری طرف سے مجھے کُہنی پڑی میں نے مُڑ کر دیکھا تو مجھے معلوم ہوا کہ بائیں طرف کے لڑکے نے مجھے کُہنی ماری ہے۔ اُس نے بھی مجھے اپنی طرف متوجہ پا کر کہا چچا! وہ ابوجہل کونسا ہے جو مکہ والوں کا سردار ہے اور جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت دُکھ دیا کرتا تھا میں نے آج اُس کی جان لینی ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کہتے ہیں کہ باوجود ایک تجربہ کار جرنیل ہونے کے میں خیال بھی نہیں کرسکتا تھا کہ ابوجہل کو مار سکوں گا کیونکہ وہ قلبِ لشکر میں کھڑا تھا اور پہرہ داروں کے جھرمٹ میں تھا اور بہادر سپاہی اس کی حفاظت کیلئے ننگی تلواریں لئے اس کے پہرہ پر کھڑے تھے۔ لیکن جب دونوں لڑکوں نے مجھ سے پوچھا تو میں نے انگلی اُٹھائی اور کہا دیکھو! وہ جو قلبِ لشکر

میں گھوڑے پر سوار ہے اور جس کے آگے پیچھے سپاہی ننگی تلواریں لئے کھڑے ہیں وہ ابوجہل ہے۔ وہ کہتے ہیں ابھی میرا ہاتھ نیچے نہیں آیا تھا کہ جس طرح باز چڑیا پر حملہ کرتا ہے وہ دونوں کُود کر لشکرِ کفار میں گھس گئے اور اِس تیزی سے گئے کہ پہرہ داروں کے حواس باختہ ہو گئے مگر پھر بھی ایک پہرہ دار نے اُن میں سے ایک کا ہاتھ کاٹ دیا مگر اُس نے اِس کی پرواہ نہ کی اور ابوجہل تک پہنچ ہی گیا اور دونوں لڑکوں نے مل کر ابوجہل کو گرا دیا[۵] اور اُسے بُری طرح زخمی کر کے گرا دیا جو بعد میں عبداللہ بن مسعودؓ کے ہاتھ سے مارا گیا۔

یہ وہ لوگ تھے جن کو ایک ہی دُھن تھی کہ محمد ﷺ کے احکام کی اطاعت میں دنیا میں ایک نیا تغیر پیدا کر دیں۔ انہوں نے اطاعت کی اور اس کا پھل پا لیا آج ہم جو کچھ کریں گے اس کا پھل آئندہ زمانہ میں پالیں گے مگر یہ چیز ہے جس کی طرف جماعت کو لانا ہمارا فرض ہے اسی لئے آجکل میں بالکل پرواہ نہیں کر رہا اور جماعت کا قدم آگے سے آگے بڑھا رہا ہوں اور اسی وجہ سے جو قادیان کے منافق ہیں وہ بھی پہلے سے زیادہ اعتراض کرنے لگ گئے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ لوگوں پر بوجھ چونکہ زیادہ پڑ رہا ہے اس لئے وہ جلدی ان کے دھوکا اور فریب میں آجائیں گے مگر وہ نہیں جانتے کہ میں آدمیوں کو نہیں دیکھ رہا بلکہ میں خدا کو دیکھ رہا ہوں۔ میں ایسا بیوقوف نہیں کہ سمجھوں کہ اِس وقت جو لوگ میرے سامنے بیٹھے ہیں ان کے ذریعہ میں دنیا کو فتح کر سکتا ہوں یا جماعت میں اِس وقت جتنے آدمی شامل ہیں ان کے ذریعہ ساری دنیا فتح کی جاسکتی ہے۔ پچاس ہزار یا لاکھ دو لاکھ آدمی ساری دنیا کے مقابلہ میں کیا کر سکتے ہیں۔ پھر مال کے لحاظ سے انہیں دیکھو تو ان کے پاس مال کہاں ہے، طاقت کے لحاظ سے انہیں دیکھو تو ان کے پاس طاقت کہاں ہے۔ پس میں دنیا کی فتح کا آدمیوں کے ذریعہ اندازہ نہیں کرتا آدمی میرا ساتھ نہیں دے سکتے بلکہ ایمان اور اخلاص میرا ساتھ دے سکتا ہے اور جب کسی انسان کے ساتھ ایمان اور اخلاص شامل ہو جائے تو ساری دنیا کے خزانے مل کر بھی اس کے مقابلے میں ہیچ ہو جاتے ہیں۔ آج میں خصوصیت کے ساتھ اسی مسئلہ کو بیان کرنے کیلئے آیا ہوں کہ جماعت کو توجہ دلاؤں کہ **اُس مقام کو حاصل کئے بغیر جس میں انسان فنافی اللہ ہو جاتا ہے کسی قِسم کی کامیابی اور ترقی حاصل نہیں ہو سکتی۔**

آج سے قریباً پونے دو سال پہلے جب میں نے تحریک جدید کا اعلان کیا تھا جماعت میں

ایک شور تھا، ایک غوغا تھا، ایک ہنگامہ تھا اور لوگ کہہ رہے تھے کہ ہم کو حکم دیجئے ہم اپنا سب کچھ احمدیت کیلئے قربان کرنے کیلئے تیار ہیں لیکن آج جاؤ اور تحریک جدید کے مالی وعدوں کو دیکھ لو رجسٹر موجود ہیں ان سے معلوم کرلو، پُرانے خطوط محفوظ ہیں انہیں نکال کر پڑھ لو۔ کئی قربانیوں کا شور مچانے والے ایسے نکلیں گے جنہیں کہا گیا تھا کہ اگر تم کوئی رقم ادا نہیں کر سکتے تو اس رقم کی ادائیگی کا وعدہ مت کرو کیونکہ یہ کوئی جبری چندہ نہیں مگر انہوں نے وعدہ کیا پھر اسے پورا نہیں کیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک واقعہ سنایا کرتے تھے فرماتے تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاں یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں، مجھے صحیح یاد نہیں چوری ہوگئی اور ان کا کچھ زیور چُرایا گیا۔ ان کا ایک نوکر تھا وہ شور مچاتا پھرے کہ ایسے کم بخت بھی دنیا میں موجود ہیں جو خدا تعالیٰ کے خلیفہ کے ہاں چوری کرتے ہوئے بھی نہیں شرماتے۔ وہ چوری کرنے والے پر بے انتہاء لعنتیں ڈالے اور کہے خدا اس کا پردہ فاش کرے اور اسے ذلیل کرے۔ آخر تحقیقات کرتے کرتے پتہ لگا کہ ایک یہودی کے ہاں وہ زیور رگرو رکھا ہؤا ہے۔ جب اُس یہودی سے پوچھا گیا کہ یہ زیور کہاں سے تمہیں ملا؟ تو اس نے اسی نوکر کا نام بتلایا جو شور مچاتا اور چور پر لعنتیں ڈالتا پھرتا تھا۔ تو منہ سے لعنتیں ڈال دینا یا زبان سے فرمانبرداری کا دعویٰ کرنا کوئی چیز نہیں عمل اصل چیز ہوتی ہے۔ ورنہ منہ سے اطاعت کا دعویٰ کرنے والا سب سے زیادہ منافق بھی ہوسکتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ وہ لوگ جنہوں نے تحریک جدید میں وعدہ کیا اور پھر اُسے پورا نہیں کیا منافق ہیں مگر کئی تھے جنہوں نے پہلے سال وعدہ کیا اور پھر وعدہ پورا بھی کیا مگر دوسرے سال کی تحریک میں آکر رہ گئے۔ ایسے لوگ یک سالہ مؤمن تھے اُن کی دوڑ پہلے سال میں ہی ختم ہوگئی دوسرے سال کی دوڑ میں وہ شریک نہ ہوسکے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ پہلے سال شور مچاتے تھے کہ جو قربانی لینی ہے ابھی لے لو۔ ایسے تمام لوگوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ میں نے اسی لئے تحریک جدید کے متعلق تین سال کی شرط لگا دی تھی تا وہ جو پہلے یا دوسرے قدم پر تھک کر رہ جانے والے ہیں وہ پیچھے ہٹ جائیں اور خالص مؤمن باقی رہ جائیں۔ ایمان اور اخلاص کے سانس بھی مختلف ہوتے ہیں۔ جیسے کہتے ہیں فلاں اونٹنی دس میل دَوڑ سکتی ہے، فلاں اونٹنی بیس میل اور فلاں سَو میل۔ ایمان کی بھی دَوڑیں ہوتی ہیں اور ایمان کی دوڑ میں وہی جیتتے ہیں جن کیلئے کوئی حد بندی نہ ہو۔ ہمیں نہ یک سالہ مؤمن کام دے سکتے ہیں نہ

دوسالہ مؤمن بلکہ وہی کام دے سکتے ہیں جو بغیر کسی شرط کے ہمیشہ قربانیوں کیلئے تیار رہنے والے ہوں۔اب اِنْشَاءَ اللّٰہُ تیسرے سال کی تحریک آنے والی ہے۔میں سمجھتا ہوں کئی ہیں جو اس میں بھی رہ جائیں گے۔وہ دوسالہ مؤمن ہوں گے جو تیسری تحریک کے وقت گر جائیں گے۔غرض کچھ لوگ اس سال گر گئے اور کچھ لوگ اگلے سال گر جائیں گے اور پھر کچھ سہ سالہ مؤمن ہوں گے جو تین سال قربانیوں پر صبر کر سکتے ہیں اس سے زیادہ نہیں۔یہ سب لوگ جھڑتے چلے جائیں گے اور گرتے چلے جائیں گے یہاں تک کہ صرف وہ مؤمن رہ جائیں گے جو حیاتی مؤمن ہوں گے یعنی ساری زندگی ہی وہ خدا تعالیٰ کیلئے قربانیاں کرنے میں گزار دیں گے اور یہی وہ لوگ ہوں گے جن کے ہاتھ پر خدا تعالیٰ اپنے دین کو فتح دے گا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم تم کو نہیں چھوڑیں گے جب تک خبیث اور طیّب میں فرق کر کے نہ دِکھلا دیں۔اِس زمانہ میں بھی اللہ تعالیٰ خبیث اور طیّب میں ضرور فرق کر کے دکھائے گا جو لوگ گھبرا رہے ہیں اور خیال کر رہے ہیں کہ اس ذریعہ سے میں جماعت کو چھوٹا کر رہا ہوں وہ نادان ہیں وہ جانتے ہی نہیں کہ جماعت ترقی کس طرح کرتی ہے، وہ سمجھتے ہی نہیں کہ جماعت کی مضبوطی اور کمزوری کا کیا معیار ہؤا کرتا ہے۔کیا ایک لمبی زنجیر جس کی بعض کڑیاں کمزور ہوں وہ مضبوط ہوتی ہے یا وہ چھوٹی زنجیر جس کی ساری کڑیاں مضبوط اور پائیدار ہوں۔ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ وہی زنجیر کام آسکتی ہے جس کی ساری کڑیاں مضبوط ہوں۔انگریزی میں ایک ضرب المثل ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ زنجیر کی طاقت سب سے کمزور کڑی میں ہوتی ہے۔یعنی سب سے کمزور کڑی جتنی طاقت کی ہوتی ہے اتنی ہی زنجیر کی طاقت ہوتی ہے۔اسی طرح افراد کے ایمان کی مضبوطی ہی ایسی چیز ہے جو ہمیں اپنے مقاصد میں کامیاب کر سکتی ہے خواہ جماعت کے افراد تھوڑے ہوں یا بہت۔اسی لئے میں نے تحریک جدید کو لمبا پھیلایا ہے تا میں دیکھوں کہ کہ کتنے مخلص ہیں جو اِس دوڑ میں میرے ساتھ چلتے ہیں۔میں نے دیکھا ہے پچھلے سال موجودہ سال کی نسبت زیادہ لوگوں کے وعدے پورے ہوئے تھے۔چنانچہ ابھی میں نے نقشہ منگوا کر دیکھا ہے جس سے معلوم ہؤا ہے کہ پچھلے سال آج کے دن تک ۷۴ ہزار روپیہ وصول ہو چکا تھا۔مگر اس سال آج کے دن تک تریسٹھ ہزار روپیہ وصول ہؤا ہے حالانکہ اس سال گزشتہ سال کی نسبت وعدے

زیادہ تھے۔ اس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یکسالہ مؤمن تھکنے لگ گئے ہیں اور اگلے سال کی تحریک میں جو دوسالہ مؤمن ہوں گے وہ تھک کر الگ ہو جائیں گے اور پھر پہلی تحریک جدید کے بعد جب دوسرا قدم اٹھایا جائے گا تو وہ جو سہ سالہ مؤمن ہوں گے وہ گرنے لگ جائیں گے یہاں تک کہ خدا تعالیٰ کے دین کا جھنڈا ان کے ہاتھ میں آجائے گا جو خدا تعالیٰ کے ساتھ شرطیں باندھنے کے عادی نہیں ہوتے تب اُس وقت فرشتے نازل ہوں گے اور آدمی نہیں بلکہ فرشتے لڑائی کر کے دنیا کو دین کیلئے فتح کریں گے۔ ہاں جیسا کہ قرآن مجید میں منافقوں کا حال لکھا ہے جب دنیا فتح ہو جائے گی اور اسلام کی حکومت عالَم پر قائم ہو جائیگی اُس وقت یکسالہ مؤمن اور دوسالہ مؤمن اور سہ سالہ مؤمن سب جمع ہو کر آجائیں گے اور کہیں گے ہم بھی مؤمن ہیں ہمیں بھی فتوحات میں شامل کیا جائے مگر خواہ وہ دنیا کی چیزیں لے لیں خدا تعالیٰ کی بادشاہت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوسکتا۔ دنیا کی بادشاہت محمد ﷺ اور آپ کے نائبین سے چھین کر یزید نے لے لی مگر کیا خدا تعالیٰ کے حضور بھی یزید کو کوئی بادشاہت ملی؟ یزید کا نام اس دنیا میں بھی جہنم کے دروازہ پر لکھا ہوا ہے کجا یہ کہ آخرت میں اسے کوئی انعام حاصل ہو۔ پس دنیا کا حصہ گو ایسے لوگوں کو مل جائے مگر آخرت میں انہیں کوئی حصہ نہیں مل سکتا کیونکہ آخرت میں انہی کا حصہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرطیں نہیں کرتے۔

پس میں جماعت کو آج یہ توجہ دلانے کیلئے آیا ہوں کہ تحریک جدید کے ذریعہ ان کا امتحان ہو رہا ہے فیل ہونے والے فیل ہو رہے ہیں اور کامیاب ہونے والے کامیاب ہو رہے ہیں۔ وہ جو امید کرتے ہیں کہ اب ان کیلئے کوئی آرام کا سانس ہے وہ غلطی پر ہیں اگر بندوں کے ہاتھ سے ان کا امتحان نہیں ہوگا تو خدا تعالیٰ خود ان کا امتحان لے گا لیکن بہرحال اللہ تعالیٰ چاہتا ہے جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ مخلصوں اور کمزوروں اور منافقوں کو جُدا جُدا کر دیا جائے۔ میں نے تحریک جدید میں جو امور پیش کئے تھے اگر جماعت ان پر عمل کرتی تو ہر سال پہلے سے زیادہ چندہ آتا اور زیادہ چندہ دینے کی طاقت ان میں پیدا ہوتی۔

میں نے کہا تھا کہ اپنے اخراجات کو کم کرو اور اخراجات میں کمی اپنی اپنی حیثیت کے مطابق کر کے جو رقم تمہارے پاس بچے وہ اسلام کی ترقی کیلئے دو اور اخراجات میں کمی اپنی اپنی

حیثیت کے مطابق کرو۔ جسے دو ہزار روپیہ ماہوار تنخواہ ملتی ہے وہ اپنے اخراجات کے لحاظ سے کمی کرے اور جسے دس روپے ملتے ہیں وہ اپنے اخراجات کے لحاظ سے کمی کرے اوراس طرح جو روپیہ بچے وہ چندہ میں دے دیا جائے مگر معلوم ہوتا ہے چندہ دینے کا یہ گُر جو میں نے بتایا تھا جماعت نے اس پر عمل نہیں کیا۔ میں نے شروع میں بتایا تھا کہ تم منہ سے کہتے ہو ہم اپنا سب کچھ اسلام کیلئے قربان کرنے کیلئے تیار ہیں حالانکہ تمہارے پاس کچھ نہیں ہوتا اس صورت میں تمہارا دعویٰ کیونکر صحیح ہوسکتا ہے تمہارا فرض یہ ہے کہ پہلے مُٹھی میں کچھ لو اور پھر دینے کا نام لو اور مُٹھی میں لینے کے معنی یہ ہیں کہ تم اپنی زندگیوں میں تغیر پیدا کرو کھانے میں، پینے میں، پہننے میں اور مکانات کی آرائش وزیبائش غرض ہر چیز میں فرق کرو اور اپنی حیثیت کے مطابق کرو۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ایک غریب شخص بھی اتنا ہی چندہ دے جتنا ایک امیر دیتا ہے بلکہ اگر وہ پانچ روپے دے سکتا ہے تو پانچ ہی دے مگر پانچ روپیہ دینا بھی ایک غریب شخص کیلئے تبھی ممکن ہے جب وہ اپنے اخراجات میں کمی کرے گا جیسا کہ ایک امیر کیلئے پانچ سو روپیہ چندہ دینا بھی اُس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ وہ قربانی کر کے اخراجات کو کم نہیں کرتا۔ ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ میں امراء سے کہوں کہ جو کچھ ان کے پاس ہے وہ لائیں اور اسلام کیلئے قربان کردیں۔ ابھی نسبت کے طور پر ان سے قربانی کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے جو سَو روپیہ لیتا ہے وہ دس روپے دے اور جو ہزار روپیہ کماتا ہے وہ ایک سَو روپے دے لیکن جب وہ وقت آیا کہ کہا جائے جو کچھ پاس ہے سب اسلام کیلئے حاضر کردو اُس وقت شاید اور زیادہ لوگوں کا امتحان ہو جائے مگر اُس امتحان کے آنے تک ضروری ہے کہ جنہوں نے اپنے آپ کو تحریک جدید کے ادنیٰ امتحان میں شامل کیا ہؤا ہے وہ اس میں کامیاب ہونے کی کوشش کریں۔ مجھے تحریک جدید کے مالی شعبہ اور امانت فنڈ دونوں کی رپورٹوں سے معلوم ہؤا ہے کہ ان دونوں شعبوں کے چندوں میں کمی آرہی ہے اور ایک سالہ اور دو سالہ مؤمن کمزوری دکھا رہے ہیں مگر مجھے اس کی کوئی گھبراہٹ نہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ ایسے لوگ گر جائیں اور ہمارا ساتھ چھوڑ دیں اور صرف ایسی ہی مخلص جماعت ساتھ رہ جائے جو پورے طور پر اطاعت کرنے اور اپنی ہر چیز قربان کرنے کیلئے تیار ہو۔

میں قادیان کے لوگوں کو خصوصاً توجہ دلاتا ہوں کہ میرا ہرگز یہ ارادہ نہیں کہ اگر چندہ میں

کمی ہو تو ان کاموں کو جن کو شروع کیا جاچکا ہے بند کر دیا جائے۔ میں پہلے بھی اشارۃً بیان کر چکا ہوں کہ روپیہ کی کمی کی وجہ سے کام ہرگز بند نہیں کئے جاسکتے۔ اگر روپیہ کی آمد میں کمی ہوئی تو کارکنوں کی تنخواہیں دس فیصدی کم کر دی جائیں گے اور اگر دس فیصدی کمی کر کے بھی گزارہ نہ ہؤا تو ان کی تنخواہوں میں بیس فیصدی کمی کر دی جائے گی اور اگر بیس فیصدی کمی بھی ضروریات کو پورا نہ کر سکی تو تیس فیصدی کمی کر دی جائے گی اور اگر تیس فیصدی کمی کافی ثابت نہ ہوئی تو چالیس بلکہ پچاس فیصدی کمی کر دی جائے گی۔ صدر انجمن احمدیہ کے جو کارکن پہلے سے کام کر رہے ہیں یا وہ کارکن جنہوں نے اِس تحریک جدید پر کام شروع کیا ہے میں آج سے ان سب کو ہوشیار کر دیتا ہوں کہ اگر انہیں اپنی تنخواہوں میں یہ کمی منظور نہ ہو تو وہ بے شک اپنی نوکریوں کا باہر انتظام کر لیں۔ مجھے یقین ہے کہ پانچ یا دس دفعہ بھی اگر مجھے آدمی بدلنے پڑے تو خدا تعالیٰ اپنے فضل سے نئے آدمی بھیجتا چلا جائے گا اور وہ کام پورا ہو کر رہے گا جس کے کرنے کا ذمہ ہم نے اُٹھایا ہؤا ہے اور جس کو تکمیل تک پہنچانے کا فرض ہم پر عائد کیا گیا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ کا نام انبیاء علیہم السلام نے شیطان کی آخری لڑائی کا زمانہ رکھا ہے اس لڑائی کی آگ میں جب تک ہم اپنی ہر چیز جھونکتے نہ جائیں گے اُس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتے۔ شاہجہاں کی نسبت آتا ہے کہ اُس کی بیوی نے مرنے سے پہلے خواب میں دیکھا کہ میں مرگئی ہوں اور میری قبر پر بادشاہ نے ایسا ایسا مقبرہ بنایا ہے یہ وہی مقبرہ ہے جسے آجکل تاج محل کہتے ہیں اور آگرہ میں ہے۔ اس نے بادشاہ کے پاس ذکر کیا وہ چونکہ بیمار تھی اور بادشاہ کو اس کی دلجوئی مدنظر تھی اس لئے اُس نے بڑے بڑے انجینئر بلائے اور کہا کیا اس قسم کی عمارت بنا سکتے ہو؟ سب نے کہا یہ تو کسی جنت کی عمارت کا نقشہ ہے ہم اسے تیار نہیں کر سکتے آخر ایک انجینئر آیا اور اس نے کہا بادشاہ سلامت! ایسی عمارت بن سکتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ آپ میرے ساتھ کشتی میں سوار ہو کر جمنا کے دوسرے کنارے چلیں اور ہزار ہزار روپیہ کی دوسَو تھیلیاں اپنے پاس رکھوالیں۔ تجویز میں بتادوں گا اور وہ جگہ بھی بتادوں گا جہاں اس قِسم کا مقبرہ بن سکتا ہے۔ بادشاہ نے حکم دیا جس پر فوراً ہزار ہزار روپیہ کی دوسَو تھیلیاں خزانہ سے آگئیں۔ اس نے ان تھیلیوں کو کشتی میں رکھا اور انجینئر کے ساتھ سوار ہو کر جمنا کے دوسرے کنارے جانے کیلئے روانہ

ہو گیا۔ کشتی تھوڑی ہی دور گئی تھی کہ اس انجینئر نے ایک تھیلی اُٹھائی اور دریا میں پھینک دی اور کہا بادشاہ سلامت! اس طرح روپیہ خرچ ہوگا۔ بادشاہ نے کہا کوئی حرج نہیں۔ دو قدم کشتی آگے بڑھی تو پھر اس نے ایک تھیلی اُٹھائی اور دریا میں پھینک دی اور کہا کہ بادشاہ سلامت! اِس طرح روپیہ لگے گا بادشاہ نے کہا کوئی پرواہ نہیں۔ تھوڑی دور آگے چلے تو اُس نے تیسری تھیلی دریا میں پھینک دی اور پھر چوتھی اور پھر پانچویں۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ ہزار ہزار روپیہ کی دو سَو تھیلیاں دریا میں پھینک دیں اور ہر دفعہ یہی کہتا رہا کہ بادشاہ سلامت! یوں روپیہ خرچ ہوگا۔ بادشاہ بھی یہی کہتا رہا کہ پرواہ نہیں تم عمارت تیار کرو۔ جب وہ انجینئر جمنا کے دوسرے کنارے پہنچا تو کہنے لگا بادشاہ سلامت! مقبرہ بن سکتا ہے اور یہ جگہ ہے جہاں مقبرہ بنے گا۔ بادشاہ نے کہا آخر وجہ کیا ہے کہ دوسروں نے کہا ایسا مقبرہ نہیں بن سکتا اور تم کہتے ہو کہ بن جائے گا۔ وہ کہنے لگا بات یہ ہے کہ انہوں نے حضور کے دل کا اندازہ نہیں لگایا تھا انہوں نے سمجھا کہ آپ اس قدر روپیہ کہاں خرچ کریں گے مگر میں نے آپ کے دل کا اندازہ لگا لیا ہے اور میں سمجھ گیا ہوں کہ جب آپ دو لاکھ روپیہ کے ضائع ہونے پر چیں بہ جبیں نہیں ہوئے تو اس قسم کے مقبرہ پر بھی بے دریغ روپیہ خرچ کر دیں گے۔ اگر آپ ان دو لاکھ کے ضائع ہونے پر چیں بہ جبیں ہو جاتے تو میں بھی کہہ دیتا کہ اس قسم کا مقبرہ نہیں بن سکتا۔ اگر تاج محل کے بنانے کیلئے اتنے وسیع حوصلے کی ضرورت ہو سکتی تھی تو خدا تعالیٰ کیلئے ایک نئی زمین بسانے کیلئے کتنے وسیع حوصلہ اور کتنی بڑی قربانیوں کی ضرورت ہے۔ ہمیں بھی اسی طرح اپنی جانیں اور اپنے اموال قربان کرنے پڑیں گے جس طرح اس انجینئر نے شاہجہاں کا روپیہ قربان کیا۔

میں جانتا ہوں کہ ہر شخص کی عقل اتنی وسیع نہیں ہوتی کہ وہ قربانیوں کی حقیقت کو سمجھ سکے بعض تھڑدِلے ہوتے ہیں وہ نہ دین کے پھیلانے کی عظمت جانتے ہیں، نہ قربانی کی حقیقت سے واقف ہوتے ہیں، نہ خدا تعالیٰ کی رضا اور اس کی محبت کی ان کے نزدیک کوئی قیمت ہوتی ہے ان کی ایک ایک پیسہ پر جان نکلتی ہے اور دین کیلئے خرچ کرنا انہیں موت دکھائی دیتا ہے۔ مگر وہ جو جانتے ہیں کہ کام کتنا بڑا ہے، جو سمجھتے ہیں کہ قربانیاں اپنے اندر کیا عظمت و شان رکھتی ہیں، جو خدا تعالیٰ کی رضا اور اس کی محبت کے مقابلہ میں دُنیوی مال و متاع کو ایک حقیر اور ذلیل چیز قرار

دے کر اسے قربان کرنا کوئی بڑی بات نہیں سمجھتے وہ قربانیوں پر بجائے غمگین ہونے کے خوش ہوتے اور قربانیوں کو سستا سَودا سمجھتے ہیں ایسے آدمی خدا تعالیٰ کی فضل سے ہماری جماعت میں کم نہیں ہزار ہا ہیں جو اسی قسم کا اخلاص اور اسی قسم کی محبت رکھتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں عبدالحکیم نے جب اعتراض کیا کہ جماعت احمدیہ میں سوائے حضرت مولوی نورالدین صاحب اور ایک دو اور آدمیوں کے کوئی صحابہ کا نمونہ نہیں تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کے اس خیال کی نہایت سختی سے تردید کی اور فرمایا میری جماعت میں ہزاروں ہیں جو صحابہ کا نمونہ ہیں۔ پس میرے لئے گھبراہٹ کی کوئی بات نہیں یہ خدا تعالیٰ کا کام ہے اور وہ خود ایسے آدمی کھڑے کرے گا جو سلسلہ کی مالی اور جانی خدمات سرانجام دیں گے لیکن میں نہیں چاہتا کہ ایک بھی ہم میں سے تباہ ہو اس لئے میں بتا دینا چاہتا ہوں کہ میرا رستہ لمبا اور تکلیفوں سے پر ہے جو لوگ کمزور ہیں انہیں چاہئے کہ وہ اپنی کمزوری دور کر کے اپنے آپ کو مضبوط بنائیں۔ اس راستہ میں مال کی قربانی بھی کرنی پڑے گی، جان کی قربانی بھی کرنی پڑے گی، عزت کی قربانی بھی کرنی پڑے گی، وطن کی قربانی بھی کرنی پڑے گی، آرام و آسائش کی قربانی بھی کرنی پڑے گی اور اسی طرح کی اور بہت سی قربانیاں ہیں جو انہیں کرنی پڑیں گی۔ تب خدا تعالیٰ کا نور دنیا میں پھیلے گا۔ پس جو کمزور ہیں وہ میری تحریک کی اہمیت کو سمجھ لیں اور اس کے مطابق عمل کریں ورنہ اس کے سِوا اور کوئی چارہ نہیں کہ یا تو ایک دن مرتد ہو کر انہیں جماعت سے الگ ہونا پڑے گا یا خود انہیں جماعت سے الگ کر دیا جائے گا۔ قادیان کے کارکنوں کو بھی اچھی طرح معلوم ہو جانا چاہئے کہ اگر سرمایہ کافی نہ ہوُا تو گو پہلے ہی انہیں باہر کی نسبت قلیل تنخواہیں دی جاتی ہیں لیکن پھر بھی ان کی تنخواہوں میں کمی کی جائے گی اور جو کارکن اس کیلئے تیار نہ ہوں انہیں پہلے سے اپنی نوکریوں کا باہر انتظام کر لینا چاہئے۔ پھر کارکنوں کے علاوہ جماعت کے جو عام افراد ہیں خواہ وہ قادیان میں رہتے ہوں یا باہر ان کو بھی توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اس امر کیلئے تیار رہیں اور اب انہیں ہر قدم پہلے سے آگے بڑھانا پڑے گا اور یہ کام ختم نہیں ہو گا جب تک اسلام کی حکومت دنیا میں قائم نہ ہو جائے۔ اس سے پہلے ہمارے لئے کوئی ہالٹ اور کوئی ٹھہرنا اور کوئی آرام نہیں۔ ہاں جب دنیا میں صحیح رنگ میں اسلامی حکومت قائم ہو جائے گی تو ایک مرحلہ ہمارا ختم ہو جائے گا۔

مگر جیسا کہ میں نے بارہا بتایا ہے کہ مؤمن کا کام پھر بھی ختم نہیں ہوسکتا جو سچا مؤمن ہو جس دن اس کا کام ختم ہو جاتا ہے اسی دن اس کی موت آجاتی ہے۔ دیکھو رسول کریم ﷺ کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِذَا جَاءَ نَصْرُاللّٰہِ وَالْفَتْحُ وَ رَأَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ فَاسْتَغْفِرْہُ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا [6] کہ تیرا کام چونکہ دنیا میں اسلام پھیلانا ہے اس لئے جب اسلام میں جوق در جوق لوگ داخل ہونے لگیں اور فوج درفوج لوگ اسلام قبول کرنے کیلئے آئیں تو سمجھ لینا کہ تیرا وقت ختم ہوگیا اس وقت ذکر الٰہی میں مشغول ہو جانا اور خدا تعالیٰ کی طرف توجہ کرنا۔ جب رسول کریم ﷺ نے صحابہؓ کو یہ آیت سنائی تو باقی صحابہؓ تو بڑے خوش ہوئے کہ اب فتوحات کا زمانہ آگیا لیکن حضرت ابوبکرؓ رو پڑے وہ نہایت کامل الایمان تھے وہ یہ آیت سنتے ہی سمجھ گئے کہ جب رسول کریم ﷺ کا کام ختم ہوگیا تو پھر آپ نے دنیا میں رہ کر کیا کرنا ہے۔ خدا تعالیٰ کا رسول نکمّا نہیں بیٹھتا۔ پس اس کا مطلب یہ ہے کہ اب رسول کریم ﷺ کا زمانہ وفات نزدیک ہے۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ کو اتنا رونا آیا کہ ان کی گھگی بندھ گئی۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ بعض صحابہ آپ کے رونے کو سن کر کہہ اُٹھے کہ اِس بڈھے کو کیا ہوگیا ہے کہ خدا تعالیٰ تو یہ کہتا ہے کہ اسلام ترقی کرے گا اور جوق در جوق لوگ اس میں داخل ہوں گے اور یہ روتا ہے۔ مگر رسول کریم ﷺ اِس نکتہ کو سمجھ گئے یعنی آپ نے سمجھ لیا کہ حضرت ابوبکرؓ نے آیت کا مفہوم سمجھ لیا ہے اس لئے آپ نے ان کی تسلی اور دلجوئی کیلئے فرمایا کہ ابوبکرؓ مجھے اتنے پیارے ہیں اتنے پیارے ہیں کہ اگر کسی بندے کو خلیل بنانا جائز ہوتا تو میں ابوبکرؓ کو بناتا لیکن یہ اسلام میں میرے بھائی ہیں۔ پھر فرمایا مسجد میں جس قدر کھڑکیاں کھلتی ہیں سب بند کر دی جائیں مگر ابوبکرؓ کی کھڑکی کھلی رہے۔ اس میں آپ نے اس طرف اشارہ کر دیا کہ میرے بعد یہی امام ہوں گے اور انہیں چونکہ نماز پڑھانے کیلئے مسجد میں آنا پڑے گا اس لئے ضروری ہے کہ ان کی کھڑکی مسجد کی طرف کھلی رہے۔ تو مؤمن جب اپنا کام ختم کر لیتا ہے تو وہ بالکل دنیا میں رہنا نہیں چاہتا۔

دیکھو! جب کوئی شخص اپنے بیوی بچوں سے جُدا ہو کر غیر ملک میں جاتا ہے تو جب اس کا کام ختم ہو جاتا ہے وہ اپنے بیوی بچوں سے ملنے کیلئے بیتاب ہو جاتا ہے۔ جب بیوی بچوں کی محبت اپنے اندر اتنی کشش رکھتی ہے کہ جب تک اُسے فرضِ منصبی روکے رکھتا ہے وہ رُکا رہتا ہے لیکن جب

اس کا کام ختم ہو جاتا ہے وہ ان کے ملنے کیلئے بیتاب ہو جاتا ہے تو خدا تعالیٰ کی محبت اپنے اندر کس قدر کشش رکھتی ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ مؤمن جب تک دنیا میں اپنے فرائضِ منصبی میں مشغول رہتا ہے وہ مجبوراً اپنے محبوب خدا سے دور رہنا برداشت کر لیتا ہے لیکن جب وہ اپنے فرائضِ منصبی کو پورا کر لیتا ہے اُس وقت وہ ایک منٹ بھی دنیا میں رہنا پسند نہیں کرتا بلکہ چاہتا ہے کہ اُڑے اور خدا کے پاس پہنچ جائے۔ ہاں جب تک اس کا فرضِ منصبی پورا نہیں ہوتا وہ سمجھتا ہے کہ میں مجبور ہوں کیونکہ میرے آقا کا حکم یہی ہے کہ میں دنیا میں کام کروں مگر کام کے ہو جانے کے بعد وہ ایک منٹ بھی دنیا میں ٹھہرنا پسند نہیں کرتا۔

پس جب تک دنیا میں اسلام کی حکومت قائم نہیں ہو جاتی میرا اور جماعت کا کام ختم نہیں ہوسکتا اور جن کی زندگیوں میں بھی یہ کام ختم ہو گیا کیونکہ ضروری نہیں کہ ہماری زندگیوں میں ہی یہ کام پورا ہو وہ اِس دنیا میں رہنا پسند نہیں کریں گے بلکہ ان کی روحیں اُڑیں گی اور خدا سے جا ملیں گی اور پھر نئی پود کو نیا کام سپرد کیا جائے گا۔

درحقیقت لوگوں نے اس بات کو سمجھا نہیں کہ آخرت کے انعامات کی کیا اہمیت ہے۔ انہوں نے سب کچھ دنیا کو ہی سمجھ رکھا ہے اس لئے وہ اس کی ذرّہ ذرّہ سی بات پر مرتے ہیں حالانکہ دنیا ایک میدانِ جنگ ہے جہاں شیطان سے لڑائی جاری ہے۔ کوئی شخص یہ لڑائی پسند نہیں کرسکتا کہ وہ ساری عمر لڑتا ہی رہے بلکہ وہ چاہتا ہے کہ لڑائی سے جلد سے جلد فارغ ہو کر اپنے گھر آئے۔ پس جس طرح میدانِ جنگ عارضی مقام ہوتا ہے اسی طرح سچا مؤمن چاہتا ہے کہ وہ دنیا میں جلد سے جلد شیطان سے لڑائی ختم کر کے اپنے مولیٰ کے پاس پہنچے۔

پس ایک بار پھر میں جماعت کے لوگوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ سُستی اور غفلت کو چھوڑ دیں ورنہ اس بات کیلئے تیار رہیں کہ آج نہیں تو کل خدا تعالیٰ کی طرف سے انہیں ٹھوکر لگے گی اور ان پر ایسا ابتلاء آئے گا کہ وہ ایمان سے بالکل محروم کر دیئے جائیں گے۔ خدا تعالیٰ کو اس بات کی پرواہ نہیں ہوتی کہ زید یا بکر اس کے سلسلہ میں داخل ہیں یا نہیں۔ اگر کوئی شخص اس کے دین میں نہیں رہتا اور خدا تعالیٰ دیکھتا ہے کہ وہ اس کے دین کو چھوڑ کر الگ ہو رہا ہے تو وہ کہتا ہے جاؤ میرے دین کا کام کرنے والے اور بہت سے موجود ہیں میں ان سے کام لے لوں گا بلکہ خدا تو خدا

ایک مؤمن بھی یہ پسند نہیں کر سکتا کہ کوئی شخص خدا تعالیٰ کے دین پر احسان رکھے۔ وہ پسند کرے گا کہ وہ اکیلا خدا تعالیٰ کی راہ میں لڑائی لڑے بجائے اس کے کہ اس کے پہلو میں کوئی ایسا شخص ہو جو خدمت کر کے احسان جتانے والا ہو۔ پس جو سچے مؤمن ہیں وہ اس بات کی ذرّہ بھر بھی پرواہ نہیں کر سکتے کہ کوئی ان کا ساتھ دیتا ہے یا نہیں اور جو سچے مؤمن نہیں وہ پتھر ہیں جو قوم کے گلے میں پڑے ہوئے ہیں اور جن کی وجہ سے خطرہ ہے کہ بعض دوسرے لوگ بھی ڈوب جائیں۔ پس جتنی جلدی یہ پتھر دور ہو جائیں اور جتنی جلدی ان سے نجات ملے اتنا ہی اچھا ہے۔ ہاں چونکہ جن لوگوں سے تعلق اور محبت ہو اُن کے علیحدہ ہونے پر افسوس بھی آتا ہے اس لئے ہمیں دعا کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے کمزوروں پر رحم فرمائے، انہیں ایمان اور اخلاص عطا فرمائے اور ہمیں بھی وہ طاقت بخشے کہ نہ دنیا کی آفات اور مصیبتیں ہمیں ڈرا سکیں اور نہ حکومتیں اور بادشاہتیں ہمیں مرعوب کر سکیں۔ صرف ایک ہی چیز ہو جو ہمارا مقصود ہو اور وہ یہ کہ خدا تعالیٰ کی رضا اور اُس کی محبت ہمیں حاصل ہو اور اُس کے قُرب کا مقام ہمیں ملے۔ خدا تعالیٰ کیلئے جان دینا ہمارے لئے سب سے بڑی نعمت ہو اور اُس کی خوشنودی کیلئے مرنا ہماری سب سے بڑی راحت۔

(الفضل ۱۹؍اگست ۱۹۳۶ء)

۱؎ اسد الغابہ جلد ۳ صفحہ ۱۵۷۔ مطبوعہ ریاض ۱۲۸۶ھ

۲؎ تاریخ الخلفاء للسیوطی صفحہ ۵۱۔ مطبوعہ لاہور ۱۸۹۲ء

۳؎ النساء: ۶۰

۴؎ سیرت ابن ھشام جلد ۲ صفحہ ۱۶۔ مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ھ

۵؎ بخاری کتاب المغازی باب فضل من شھد بدراً

۶؎ النصر: ۲ تا آخر